میرزا فصیحی ھروی

ڈاکٹر وجیہ الدین۔ مہاراجہ سایا جی راؤ یونیورسٹی۔ بڑودا۔ گجرات

صفوی عہد کے بہت سے نثر نگار شعراء اور ادباء ایسے ہیں جنہوں نے فارسی ادب کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور فارسی ادب کو اپنی گوناگوں نگارشات، اپنے ادبی شہ پاروں اور کارناموں سے مالامال کیا ہے۔ ان کے ادبی کارنامے اگرچہ خاصی اہمیت کے حامل ہیں تاہم ان لوگوں کے حالات زندگی اور کارناموں سے عام لوگ بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ مورخین اور تذکرہ نگاروں نے بھی ان حضرات کے متعلق بہت کم معلومات فراہم کی ہیں۔ فصیحی ھروی کا بھی شمار ایسے مجہول الحال شعراء میں ہوتا ہے۔

میرزا فصیحی ھروی یا ھراتی جو فصیحی انصاری کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں، ھرات کے رہنے والے تھے اور سادات خاندان سے تعلق رکھنے والے نامور صوفی خواجہ ابواسمٰعیل عبداللہ انصاری الھروی کی اولاد میں سے تھے (۱) اصفہان کے مشہور شاعر، حکیم شرف الدین حسن شفائی، کے معاصر تھے (۲) ملک مشرقی اور فصیحی ھروی میر حسن بیگ شاملو کے ندیم خاص تھے۔ حسن بیگ شاعری کا اچھا مذاق رکھتا تھا اور خود بھی شاعر تھا۔

"تذکرہ نگار طاہر نصر آبادی کے مطابق حسن بیگ کے دیوان میں تین ہزار اشعار ہیں (۳) حسن بیگ کی مجلس میں فصیحی ھروی اور حکیم شفائی کے درمیان اکثر شعری بحث و مباحثہ ہوتا تھا جو دونوں کے درمیان اکثر جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ (۴) فصیحی ھروی ہندوستان آنے کا خواہشمند تھا۔ بار ہا اس نے ہندوستان آنے کی کوشش کی لیکن حسن بیگ شاملو جو فصیحی ھروی سے

بہت متاثر تھا اور اپنے ادبی ذوق کی تسکین کو پورا کرنے کی وجہ سے کبھی بھی اس نے فصیحی کو ہندوستان آنے کی اجازت نہیں دی۔ آخر فصیحی نے اپنے دیوان کا ایک خطی نسخہ آگرہ بھیجا (۵)

شاہ عباس اول ۱۰۳۱ھ میں جب ھرات آیا تو اس نے فصیحی ھروی کی شہرت سنی۔ اس نے فصیحی کو بلا کر اپنے درباری شعراء میں شامل کر لیا۔ شاہ عباس اول فصیحی ھروی کی بہت عزت کرتا تھا۔ اور اس کو مختلف انداز سے نوازتا بھی تھا۔ فصیحی ایک عمدہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھا خطاط بھی تھا۔ خاص طور سے شکستہ خط بہت عمدہ لکھتا تھا۔ (۶)

تذکرہ نتائج الافکار کا مصنف فصیحی کے متعلق رقم طراز ہے :" مجمع محاسن ذاتی وصفاتی مولانا فصیحی ھراتی کہ از سادات عظام آندیار و شعرای نامدار بودہ خط شکستہ درست می نوشت در بدایت حال بخدمت حسن خاں بن حسین خاں حاکم ہرات کمال تقرب و مصاحبت بہم رسانیدو در گلشن سخن نغمہ سنج قصاید مدحیہ گردید در آنروزھا ورود حکیم شفائی بہرات صورت بست و در محفل حسن خاں با میرزا فصیحی اتفاق ملاقات افتاد و در مشاعرہ آخر مکابرہ رو داد شفائی از ھرات برآمدہ بہجو فصیحی پرداخت و وی بکمال بلند نظری بجوابش التفات ناخت و در سنہ ۱۰۳۱ احدی و ثلثین والف کہ رایت دولت شاہ عباس ماضی پرتو افگن سواد ہرات گشتہ میرزا فصیحی شرف باریابی دریافت واز صحبت رنگین منظور نظر شاہ گردید شاہ بمصاحبتش گرفتہ بمعیتہ خود بعراق عجم و مازندران برد و تربیت و ترقی اومی پرداخت۔ صاحب دیوان است و شاعر خوش بیان در اواسط مائتہ حادی عشر بدار عقبٰی شتافت۔" (۷)

" مآثر الکرام " کے مصنف، میر غلام علی آزاد بلگرامی، فصیحی کے متعلق لکھتے ہیں " از اعیان سادات ھرات و آئینۂ نقش پذیر حسن صفات بود ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابتدار حال در خدمت حسن خاں حسین خان حاکم ہرات عظیم تقرب داشت و تخم مدحت پدر و پسر فراوان در سرزمین سخن کاشت در آن ایام ورود حکیم شفائی بہ ہرات اتفاق افتاد، و در مجلس حسن خاں با میرزا فصیحی ملاقات دست داد و مشاعرۂ ایشان بمنازعہ انجامید۔ خان طرف فصیحی گرفت ۔ شفائی از ھرات برآمدہ

فیصی را ہجو کرد۔ فیصی در دیوان بلند حوصلگی را کار فرمود و اصلاً ملتفت جواب نشد۔ ہجو فیصی در دیوان شفائی بنظر در آمد دل نخواست کہ زبان قلم بکلمات رکیک آشنا شود میر تقی اوحدی صفاہانی گویند :-

" چند نوبت عزم ھند کرد۔ مانع او شدند۔ چون ما بچہ لوائی شاہ عباس ماضی در سنہ احدی و ثلثین والف (۱۰۳۱) سواد افروز ہرات گردیدہ میرزا فیصی باریاب ملازمت گشت و صحبت او دلنشین شاہ افتاد و لعنایات فراوان مخصوص گردانیدہ وھمراہ خود بعراق عجم و مازندران برد۔ از فروغ تربیّت گوھر او راجلای بخشید، مزید رقم طراز ہے کہ " دیوان فیصی بنظر در آمد خوش محاورہ است اما مضمون تازہ بندرت دارد" (۸)

" تذکرہ نصرآبادی" میں فیصی کے متعلق یوں مرقوم ہے :

میرزا فیصی از ھرا تست او ھم بطریق میرزا ملک سلوک مینمودہ اما در کمال ھمواری و ملایمت بود و نہایت خلق و پاک زبانی و مہربانی و خوش ذاتی داشت و بطریق میرزا ملک در خدمت حسن خاں کمال قرب داشت" (۹)

" کلمات الشعراء" کے مصنف محمد افضل سرخوش لکھتے ہیں کہ " از فصحای زمانہ بود۔ اشعار ریختہ دارد و استاد یگانہ است" مزید لکھتے ہیں کہ " کامل العصر بود۔ طالب آملی وغیرہ فضلای زمان او را بسیادت قبول داشتند" (۱۰)

فیصی ھروی کے تین شاگرد تھے۔ ناظم ھروی (وفات ۱۰۸۱ھ) درویش حسین والہ ھروی اور میرزا جلال اسیر اصفہانی۔ والہ ھروی شاہجہاں کے زمانے میں ھندوستان آگیا تھا۔ جلال اسیر ایران میں رہا۔ ھندوستان کبھی نہیں آیا۔ جلال اسیر نے فیصی ھروی کا شاگرد ہونے کا اقرار مندرجہ ذیل اشعار میں کیا ہے۔

باجود آنکہ استادم فیصی بود اسیر
مصرع صائب تواند یک کتاب من شود (۱۲)

نکہتی از چمن فیض فصیحیست اسیر
کز صفیر زمزمہ گلزار مقالی دارد (۱۳)

آنانکہ مست فیض بہار اند چون اسیر
تہ جرعۂ ز بزم فصیحی چشیدہ اند (۱۴)

جلال اسیر نے ایک قطعہ بھی اپنے استاد کی تعریف میں لکھا ہے، جو ذیل میں درج ہے۔ لیکن اس قطعہ میں اس نے اپنے استاد فصیحی ھروی کا نام یا اپنے تخلص کا استعمال نہیں کیا ہے۔ یہ قطعہ نولکشور کے مطبوعہ دیوان کے علاوہ راقم کے پاس موجود کلیات جلال اسیر کے ایک خطی نسخہ میں بھی ہے اشعار کی تعداد دونوں نسخوں میں برابر ہے۔

ای سخن پرداز استادی کہ فیض طبع تست
ابر را باران و دریا را دُر و کان را گہر

بہر ترتیب دماغ نوعروسانِ سخن
چون غزالان نافۂ کلکِ تو ریزد مشک تر

شعلۂ مانند گل صدبرگ بر شبنم شود
فیضِ طبعت گر کند در خاطر آتش گذر

در گلستان سخن سنجی نگاہ فکر نظم
شد نہال کلکت از گلہای مشکین بار ور

سینۂ گرمت زبس چون صبح لبریز صفاست
تا دعا بر لب رسانی گردد او گردد اثر

تا شود شیرین زلذت کام دانش طبع تو
لفظ و معنی را بہم آمیخت چون شیر و شکر

نسبتش با گوهر شاداب معنی های تست
می رسد گر ناز بر دریا کند آب گهر
ایکه خوانده روزگارت خسرو ملک سخن
کشتہ در معنی مرا مخدوم واستاد و پدر
هست در دل خار خار اینکه در گلهای فیض
از تخلص گل زند نظم پریشانم بسر
گرچه این گستاخیم شرمنده دارد تا ابد
باوجود این هوس دارم تمنائی دگر
گر برآرم جزوی از اشعار سحر آمیز خویش
نسخه فرمائی که باشد روشنی بخش نظر
سرمۂ کلکت دهد چشم بیاضم را سواد
نور یابد دیدۂ هرکس که آرد در بصر
مست فیض از بادۂ تحقیق ساغر زن که من
تا نباشد درد سر کردم سخن را مختصر (۱۵)

بانکی پور کیٹلاگ کا مصنف لکھتا ہے کہ اودھ کیٹلاگ کے مطابق فصیحی هروی کا انتقال ۱۰۴۰ھجری مطابق ۱۶۳۶ عیسوی میں ہوا۔ مزید لکھتا ہے کہ فصیحی هروی کے شاگرد واله هروی کے دیوان میں ایک تاریخی قطعہ ہے جس سے فصیحی کا سال وفات ۱۰۴۹ھجری یعنی ۱۶۳۹ء نکلتا ہے جو زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ مادہ تاریخ یہ ہے "بگو فصیحی آزاد سوی جنت شد"۔ (۱۶)

تذکرہ نصرآبادی کے مصنف کے بقول فصیحی هروی کے دیوان میں چھ ہزار اشعار ہیں فصیحی کا دیوان بانکی پور کیٹلاگ کے مطابق مطبع چشمۂ نور مظفر پور سے چھپا

ہے (۱۷) جواب تقریباً ناپید ہے۔

فصیحی انصاری الہروی نے غزل کے روایتی خیالات میں یاس انگیزی وافسردگی کا عنصر شامل کیا اور صائب سے پہلے تمثیل و ایجاز کا اسلوب اپنایا۔ بعد کے شعراء مثلاً ناظم ہراتی (وفات ۱۰۸۰ ہجری) وغیرہ نے اس کا تتبع بھی کیا ہے۔ (۱۸)

فصیحی انصاری کے چند اشعار ذیل میں بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں۔ جو تذکرہ نصرآبادی سے ماخوذ ہیں :-

خنده می بینی ولی از گریۂ دل غافلی
خانۂ ما اندرون ابراست و بیرون آفتاب

رتبہ حسن بلندست چہ حاجت بنقاب
بہر منع نگهی کز مژه کوتاه تراست

ہزار بار قسم خورده ام کہ نام ترا
بلب نیاورم اما قسم بنام تو بود

فرداست وعده جنت وامروز شد نصیب
آری خلاف وعده کریمان چنین کنند

من نہ شایستہ بسمل نہ سزاوار قفس
بچہ امید درین دام گرفتارم

رباعی

روشنگری آئینہ دل کردیم
وانگاه بروی تو مقابل کردیم
عکس رخ تو جدا نگشت از رخ تو
ما بیہده سعیهای باطل کردیم

رباعی

ہر چند دلم ز درد خونریز تراست
بر من دل تیغ آسمان تیز تراست
در کین دلم دلبر باشید کہ زنگ
زائینہ ام از عکس سبک خیز تراست (۱۹)

حواشی و مآخذ

(۱) خواجہ عبداللہ انصاری الہروی ۳۹۶ ہجری مطابق ۱۰۰۵ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۴۸۱ ہجری مطابق ۱۰۸۸ عیسوی میں ان کا انتقال ہوا موصوف منازل السائرین، طبقات الصوفیہ زادالعارفین جیسی بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ (عربی فارسی مخطوطات کی فہرست۔ بانکی پور لائبریری، پٹنہ، جلد سوم، صفحہ ۷۰)

(۲) شرف الدین حسن شفائی، صفوی عہد کے بہترین شاعروں میں سے ایک ہے یہ شاہ عباس اول کا ملک الشعراء، طبیب اور ندیم خاص تھا۔ شفائی کی وفات ۱۰۳۷ ہجری مطابق ۱۶۲۸ء میں ہوئی۔ یہ خاقانی کی طرز پر قصائد کہتا تھا۔ جہاں تک غزل کا تعلق ہے اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے ایک نیا طرز اپنایا۔ لیکن حقیقت میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ وہ بابا فغانی کا طرز تھا۔ اس کی مشہور مثنوی "نمک دانِ حقیقت" ہے اس میں اس نے سنائی کی پیروی اس حد تک کی ہے کہ بہت سے لوگ اس کو آخرالذکر کے ہی قلم کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ شفائی نے اپنی مثنوی "مطلع الانوار" میں خاقانی کے منظوم سفرنامہ "تحفۃ العراقین" جو "مجمع البحرین" کے نام سے بھی مشہور ہے، کے طرز کا بھی تتبع کیا ہے اس کی دیگر مثنویاں بھی دستیاب ہیں۔ شفائی نمایاں طور پر ایک ہجوگو اور تیز و تند لہجے کا شاعر تھا چونکہ وہ حساس زود رنج اور متشدد تھا اس لیے اس کے اندر دوسروں کے ناشائستہ برتاؤ اور

ناماہر بابیوں کے تئیں فوری ردعمل پیدا ہو جاتا تھا۔ تاہم اس کو غیر ضروری چیزوں سے نفرت تھی وہ دوسروں کے سامنے جھکتا نہیں تھا۔ حتٰی کے شاہ عباس اول کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ جو کہ اس کی نخوت کے باوجود اس کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا (یان ریپکا، ہسٹری آف ایرانین لٹریچر، ہولینڈ، ۱۹۶۸، صفحہ ۳۰۰)

(۳) تذکرہ محمد طاہر نصرآبادی اصفہانی، بتصیح وحید دست گردی، طہران، ۱۳۱۷، صنا

(۴) مولوی عبدالمقتدر خاں، اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے عربی و فارسی مخطوطات کی فہرست، جلد سوم، لندن، ۱۹۱۲، صفحہ ۷

(۵) ایضاً، صفحہ ۱۷

(۶) ایضاً

(۷) محمد قدرت اللہ گوپاموی، چاپخانہ سلطانی بمبئی، ۱۳۳۶، ص ۴۰-۵۳۹

(۸) بتصیح عبداللہ خاں، لاہور ۱۹۱۳، ص ۵۱-۵۰

(۹) محمد طاہر نصرآبادی، ایضاً، ص ۲۴۸-۲۴۷

(۱۰) بتصیح صادق علی دلاوری، عالمگیر پریس، لاہور، ۱۹۴۳ ص ۸۶-۸۵

(۱۱) علی ابراہیم خاں خلیل، صحف ابراہیم، تصیح و ترتیب عابد رضا بیدار، پٹنہ بہار ۱۹۷۸، ص ۱۳۶

(۱۲) کلیات میرزا جلال اسیر، منشی نولکشور پریس، لکھنو، ۱۲۹۷ ہجری، ص ۲۸۸-۲۸۷

(۱۳) ایضاً ص ۲۸۱

(۱۴) کلیات میرزا جلال اسیر (نسخہ خطی ذاتی) ورق ۱۵۵ الف

(۱۵) کلیات میرزا جلال اسیر، مطبوعہ منشی نولکشور، ص ۱۰۲-۱۰۱

(۱۶) اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے عربی و فارسی مخطوطات کی فہرست، جلد سوم ص ۱۷

(۱۷) ایضاً۔ (۱۸) یان ریپکا، ہسٹری آف ایرانین لٹریچر، ص ۳۰۰

(۱۹) تذکرہ نصرآبادی۔ ایضاً، ص ۲۴۹-۲۴۸۔